مولانا محمد اسحٰق صدیقیؒ

کی تالیف

دینی نفسیات اور عقیدہ نزول مسیح

مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ سال تقریباً انہیں دنوں چنیوٹ سے ایک صاحب نے لکھا کہ: ''حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقیؒ کی تالیف ''دینی نفسیات'' کے جدید ایڈیشن میں ''عقیدۂ نزول مسیح'' کا انکار کیا گیا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ کیا واقعی ان کا یہی عقیدہ تھا؟ یا ان کی ذات پر اتہام وافترا ٔ ہے؟ حقائق سے آگاہ کریں، کیونکہ اس سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہورہا ہے۔''

راقم الحروف نے حضرت مرحوم کے شاگردِ خاص مولانا محمد طیب کشمیری صاحب کی خدمت میں وہ خط پیش کرتے ہوئے جواب لکھنے کی درخواست کی اور اپنے تئیں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ یوں اس خط کا قصہ ہی ذہن سے اتر گیا، اب ایک سال بعد کراچی ناظم آباد کا ایک نوجوان اسی طرح کا ایک سوال نامہ اور حضرت مرحوم کی کتاب ''دینی نفسیات'' کا جدید ایڈیشن لایا اور کہنے لگا کہ: ''حضرت مولانا مرحوم کے نام پر اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو گمراہ کیا جارہا ہے، اس کا کوئی مؤثر اور فوری تدارک ہونا چاہئے۔'' اس پر راقم الحروف نے جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کے کتب خانہ سے ''دینی نفسیات'' کا قدیم ایڈیشن منگواکر، جدید ایڈیشن سے موازنہ کیا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ جدید ایڈیشن میں حصہ سوم اور ''مسئلہ نزول مسیح'' کا اضافہ کرکے کس ڈھٹائی سے مصنف مرحوم کے عقیدہ کو مسخ کرکے اپنے ملحدانہ افکار ونظریات ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں؟ مزید جب مؤلف مرحوم کی قدیم تصنیف ''مسئلہ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں'' دیکھی تو

یقین ہوگیا کہ مولانا مرحوم کی شخصیت، ان کی تصانیف اور عقائد ونظریات کے ساتھ اربابِ تحریف نے خیرخواہی اور محبت کے پردہ میں مسخ وتحریف کا وہی کردار ادا کیا ہے، جو یہودیوں اور ان کے نمائندہ پولس نے سابقہ انبیاً، آسمانی کتابوں، حضرت عیسیٰؑ اور ان کی تعلیمات کے ساتھ کیا تھا، دوسرے الفاظ میں پولس اور ابن سبأ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بارہ میں جس افترأپردازی کا مظاہرہ کیا تھا، مرحوم کی تصانیف اور عقائد ونظریات کے ساتھ بھی وہی عمل دہرایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جب مولانا محمد طیب کشمیری صاحب سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے مزید انکشاف کیا کہ ان افترأپردازوں نے مرحوم کی تالیف: ''اظہارِ حقیقت'' جلد سوم کے تکملہ میں ان کے ''عورت کی سربراہی'' کے عدمِ جواز کے مسلک وموقف کی تکذیب وتغلیط بھی کی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد اسحق صدیقیؒ اپنی تصنیف ''اسلام کا سیاسی نظام'' جو انہوں نے قیامِ پاکستان سے قبل ۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ارشاد پر تصنیف فرمائی تھی، اور سب سے پہلے ۱۹۵۷ء میں ندوۃ المصنّفین اور بعد میں ۱۹۸۱ء میں جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تصنیف و تالیف کی جانب سے اشاعت پذیر ہوئی، اس میں انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں لکھا اور ثابت کیا کہ اسلام میں ''عورت'' سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی، مگر افسوس کہ یہود اور پولس کے جانشینوں نے خود ان کی تصنیف کے آخر میں شامل ''تکملہ'' میں ان کے موقف کی تردید کرتے ہوئے عورت کی سربراہی کے جواز کی ناپاک کوشش کرکے ان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اس لئے ضروری ہوا کہ اس یہودیانہ سازش کی قلعی کھول کر مسلمانوں کا اضطراب دور کیا جائے اور آنے والی نسلوں کے سامنے صحیح صورتِ حال رکھی جائے، تاکہ مولانا مرحوم کے نام پر مسلمانوں کو دھوکا دے کر ان کا ایمان خراب نہ کیا جاسکے، اور ان کے بارہ میں پائی جانے والی بدگمانی کا سدباب ہوسکے۔

ایک طرف حضراتِ انبیأ کرامؑ، ان کی تعلیمات اور ناصحین امت کے ساتھ خیرخواہی کے لبادے میں بدخواہی، یہودیوں کی بدترین سرشت اور گھناؤنا کردار رہا ہے۔ تو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پیشتر اس کی پیش گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ اس امت کے لوگ قدم بہ قدم یہودیوں کی اتباع کریں گے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی اور یہودیوں کی انبیاؑ کرامؑ کے خلاف عداوت، کتمانِ حق، کذب وافترا اور تحریفِ دین سے متعلق قرآنی تصریحات کو نقل کر دیا جائے تاکہ اندازہ ہو کہ موجودہ کذب وافترا اور تحریف کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ اسی کذب وافترا کا تسلسل ہے جو یہود ونصاریٰ اور اعدائے دین نے اہلِ حق کے ساتھ روا رکھا تھا۔

یہود ونصاریٰ کی اقتدا کی پیش گوئی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت میں اچھے اور نیک لوگوں کے اٹھ جانے، ناکارہ ورڈی قسم کے لوگوں کے بچ جانے، ان کے یہود ونصاریٰ کی تقلید اور طور طریقوں پر چلنے کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

"عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لتتبعن سنن من قبلکم شبرًا بشبر، وذراعًا بذراع حتیٰ لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم. قیل: یا رسول اللہ! الیھود والنصاری؟ قال: فمن؟ متفق علیہ." (مشکوٰۃ ص:۴۵۸)

ترجمہ:...... "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً ایک وقت آئے گا کہ تم بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع ان لوگوں کے طور طریق اپناؤ گے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ (سوسمار) کے بل میں گھسے ہوں گے، تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا پچھلے لوگوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: (وہ یہود ونصاریٰ نہیں تو) اور کون ہیں؟"

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چودہ سو سال پیشتر کی گئی تمام پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو رہی ہیں اور نام نہاد مسلمان دانستہ اور نادانستہ، ان کو اپنا کر یہود ونصاریٰ کی جانشینی کا "اعزاز" حاصل کر رہے ہیں۔

یہود کی بدترین خصلتیں:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں یہودیوں کی جن بدترین خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کر کے بتلایا جائے کہ یہود کی ایسی کون سی خصلت باقی ہے جس

کی آج اقتدا نہیں کی جارہی؟:

ا:......حق و باطل میں تلبیس:

قرآن کریم میں یہودیوں کی اس بری خصلت کو بیان فرمایا گیا ہے:

الف:......"یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ. وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا، وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ. وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ." (البقرہ:۴۰تا۴۲)

ترجمہ:......"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے، اور تم پورا کرو میرا اقرار، تو میں پورا کروں تمہارا اقرار، اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے، سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے، اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا سا، اور مجھ سے بچتے (ڈرتے) رہو۔ اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اسی طرح سورہ آل عمران میں ہے:

ب:......"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ." (آل عمران:۱۸۷)

ترجمہ:......"اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کروگے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے، پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید لیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول، سو کیا برا ہے جو خریدتے ہو؟" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

۲:......قتل انبیا:

یہودیوں کا ایک بدترین کردار، سیاہ کارنامہ اور شقاوت و بدبختی یہ تھی کہ انہوں نے مقربین

بارگاہِ الٰہی حضرات انبیأ کرام علیہم السلام کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگین کئے، اور غضبِ الٰہی کا مورد بنے۔ چنانچہ ایک آدھ نہیں، بلکہ ان بد باطنوں نے ایک ایک دن میں دسیوں برگزیدہ نبیوں اور ناصحین کو شہید کیا۔

یوں تو ہر کافر ومشرک اور دین دشمن کی ہمیشہ سے یہ روش رہی ہے کہ وہ آسمانی کتاب اور دین وشریعت سے اعراض واختلاف کرتا ہے، مگر یہودیوں کا کردار اس سلسلہ میں تمام کفار سے ہٹ کر نہایت ہی بھیانک وبھونڈا رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف اللہ کے مقرب رسولوں اور پیغمبروں کی دعوت کو مسترد کیا، بلکہ ان کو شہید کرکے اپنی پوری قوم کو نورِ نبوت سے محروم کردیا۔

قرآن کریم میں متعدد آیات میں ان کی اس مذموم وناپاک کوشش اور سفاکانہ کردار اور طرزِ عمل کو بیان کیا گیا ہے، ذیل میں یہودیوں کے قتلِ انبیأ سے متعلق چند آیات نقل کی جاتی ہیں:

الف:...... ”...قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.“ (البقرہ:۹۱)

ترجمہ:...... ”کہہ دو! پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے، اگر تم ایمان رکھتے تھے؟“ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ب:...... ”اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ.“ (آل عمران:۲۱)

ترجمہ:...... ”جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کا ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے، سو خوشخبری سنادے ان کو عذابِ دردناک کی۔“ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اپنی ”تفسیر عثمانی“ میں لکھتے ہیں:

”حدیث میں ہے کہ ”بنی اسرائیل“ نے ایک دن میں تینتالیس (۴۳) نبی اور ایک سو ستر (۱۷۰) یا ایک سو بارہ (۱۱۲) صالحین کو شہید کیا۔ یہاں نصاریٰ نجران کو سنایا جارہا ہے کہ احکام الٰہی سے منکر ہوکر انبیأ اور انصاف پسند

ناصحین سے مقابلہ کرنا اور پرلے درجہ کی شقاوت وسنگدلی سے ان کے خون میں ہاتھ رنگنا، معمولی چیز نہیں، ایسے لوگ سخت دردناک عذاب کے مستحق اور دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہیں۔" (فوائد تفسیر عثمانی)

ج:......"فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ....." (النسآ:۱۵۵)

ترجمہ:......"ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

۳:......تحریف فی الدین:

قرآن کریم میں جہاں یہودیوں کی دوسری بہت سی بری عادتوں، قبیح خصلتوں اور بدکرداریوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں تورات وزبور میں ان کی تحریف وتبدیل ایسی رذیل حرکت کو بھی نہایت وضاحت وصراحت سے بیان کرکے اس پر شدید مذمت ونکیر فرمائی گئی ہے۔

ذیل میں یہودیوں کے تورات وزبور اور انجیل میں تحریف سے متعلق ارشاداتِ الٰہیہ کو نقل کیا جاتا ہے۔

یوں تو کسی عالم وعامی کی کسی تحریر وتقریر اور تحقیق وتخلیق پر مشتمل کسی عبارت وتصریح میں اپنی طرف سے من مانی تبدیلی کرکے اس کی طرف منسوب کرنا، اسی طرح مدونہ علوم وفنون میں سے کسی فن کی کتاب اور مصنف کی کسی تحقیق وتخلیق میں اپنی خودتراشیدہ رائے اور تحقیق کو کتاب اور صاحبِ کتاب کی طرف منسوب کرنا بھی تحریف کہلاتا ہے۔ مگر قرآن وسنت میں تحریف کی اصطلاح اور لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے، اس سے مراد وہ تحریف اور تغیر وتبدل ہے جو آسمانی کتب مثلاً: تورات، زبور اور انجیل میں یہودیوں نے روا رکھا ہے۔ تحریف کی کوئی بھی صورت ہو، ناجائز، حرام، مذموم اور بدترین خیانت ہے، مگر آسمانی کتب میں تحریف وتبدیلی سب سے بدترین خیانت اور افتراء علی اللہ کی مذموم کوشش ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہودیوں کے اس خبیث طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

الف:......"اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ

مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ.“ (البقرہ:۷۵)

ترجمہ:......”اب کیا تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام، پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر، اور وہ جانتے تھے۔“ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ب:......”مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ.....“ (النساء:۴۶)

ترجمہ:......”بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نہ مانا! اور کہتے ہیں کہ: سن، نہ سنایا جائیو!“ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ج:......”فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ، وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ .....“ (المائدہ:۱۳)

ترجمہ:......”سو ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی اور کردیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت، پھیرتے ہیں کلام کو اس کے ٹھکانے سے، اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی، اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر، مگر تھوڑے لوگ ان میں سے۔“ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

د:......”.....وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا، وَمَنْ يُّرِدِ اللهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللهِ شَيْئًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ، لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.“

(المائدہ:۴۱)

ترجمہ:......”اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے، وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے، جو تجھ تک نہیں آئے، بدل ڈالتے

ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر، کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا، اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں، یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے، ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

۴:.....افترأ علی اللہ:

کسی کی طرف ناکردہ قول وفعل، عمل اور نظریہ کی نسبت کرنا تہمت وافترأ کہلاتا ہے۔ قرآن وسنت میں تہمت وافترأ کو بدترین ظلم قرار دیا گیا ہے، پھر سب سے بدترین افترأ وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر باندھا جائے، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افترأ باندھتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہے۔ افسوس کہ دوسرے کافروں کی طرح یہود میں جہاں دوسری اخلاقی، عملی اور اعتقادی بیماریاں تھیں، وہاں وہ اس بدترین مرض میں نہ صرف مبتلا تھے، بلکہ وہ اس کے بانی وموجد تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

الف:......"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ." (الصف:۷)

ترجمہ:......"اور اس سے زیادہ بے انصاف کون (ہوگا) جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو، اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ب:......"....وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ وَّقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی." (طٰہٰ:۶۱)

ترجمہ:......"کہا ان کو موسیٰ نے: کم بختی تمہاری! جھوٹ نہ بولو اللہ پر، پھر غارت کر دے تم کو کسی آفت سے، اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یہودیوں کی اتباع میں مشرکین عرب اور کفارِ مکہ بھی افترأ علی اللہ کے مرتکب ہوئے، چنانچہ قرآن مجید میں ان کے افترأ علی اللہ کی بھی متعدد آیات میں نشاندہی کی گئی ہے، مگر سردست صرف ان

دو آیات پر اکتفا کرتے ہوئے یہ بتلانا مقصود ہے کہ افتراعلی اللہ کے بانی مبانی یہود بے بہبود تھے، ان کی دیکھا دیکھی اور ان کے نقش قدم پر دوسرے کافروں نے بھی یہ روش اپنائی۔

یہودیوں کی حضرت عیسیٰؑ سے عداوت:

حضراتِ انبیاؑ کرام علیہم السلام سے یہودیوں کی عداوت کا کسی قدر تذکرہ ''نمبر:۲:قتل انبیاؑ'' کے ذیل میں پہلے آچکا ہے، اسی طرح خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کی عداوت و دشمنی کی تفصیلات کو بھی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

الف:......''وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ.....'' (النسا:۱۵۷)

ترجمہ:......''اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا، اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ب:......''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. اِذْ قَالَ اللهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .....'' (آل عمران:۵۴،۵۵)

ترجمہ:......''اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر (کا توڑ) کیا اللہ نے، اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے، جس وقت کہا اللہ نے: اے عیسیٰ! میں لے لوں گا تجھ کو اور اُٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کروں گا تجھ کو کافروں سے۔''

اس آیت کے ذیل میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

''......مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کردیں، حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھردیئے کہ یہ شخص (معاذ اللہ!) ملحد ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے، سب کو بددین بنا کر چھوڑے گا، اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا، اِدھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر حق تعالیٰ کی لطیف و خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اسلام اور مسلمانوں سے عداوت:

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس، آپؐ کے لائے ہوئے دین و مذہب اور قرآن کریم سے یہودیوں کو کس قدر بغض و عداوت تھی؟ اس کی تفصیلات بھی قرآن مجید میں ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کر دیا جائے:

الف:......"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا......" (المائدہ:۸۲)

ترجمہ:......"تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکین کو۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ب:......"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَّدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ، قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ." (آل عمران:۱۱۸)

ترجمہ:......"اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، نکل پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے، اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ج:......"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ......" (البقرہ:۱۲۰)

ترجمہ:......"اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہود و نصاریٰ جب تک آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جاویں......" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

د:......"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ، وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ." (المائدہ:۵۹)

ترجمہ:......"تو کہہ: اے کتاب والو! کیا ضد ہے تم کو ہم سے، مگر یہی

کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے، اور یہی
کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ان تفصیلات سے کسی قدر اس بات کی وضاحت ہوگئی ہوگی کہ یہودی روزِ اول سے حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے جانی دشمن بلکہ قاتل، کتمانِ حق، دجل و تلبیس کے مرتکب، تحریف فی الدین کے بانی، افتراء علی اللہ کے مجرم اور بطورِ خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام، مسلمانوں اور قرآن کریم کے ازلی دشمن تھے اور ہیں۔

ہمیشہ سے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں اور داعیانِ حق کو قتل کر کے ان کو راہ سے ہٹایا جائے، اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو دجل و تلبیس سے کام لے کر حق کو باطل اور باطل کو حق باور کرایا جائے اور متلاشیانِ حق کی راہ روکی جائے نہیں تو کم از کم افتراء علی اللہ کے چور دروازے سے آسمانی کتاب اور پیغامِ الٰہی میں تحریف کر دی جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عداوت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے تک یہودی اپنے ہر منصوبہ میں کامیاب ہوتے رہے، مگر جیسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی، تو یہودیوں نے حسبِ معمول ان کو بھی قتل کر کے راہ سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اُٹھالیا، اور فرمایا: "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ." (اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کا توڑ کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے)۔

یہودی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصوبہ قتل میں ناکام اور خائب و خاسر ہوئے تو ان کے انتقام کی آگ میں مزید شدت آگئی، اور انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ کس طرح انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور دین عیسوی میں تحریف کر کے اسے مسخ کیا جائے...؟؟؟ اس کام کے لئے ایک کٹر یہودی، جس یہودی کا نام "ساؤل" تھا، اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس ملعون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد یکایک عیسائیت کا روپ دھارا اور نہایت خیرخواہی کے انداز میں دین عیسوی کی بلند و بالا عمارت ڈھا کر اس پر یہودیت کی تعمیر کھڑی کر دی، یوں اس ظالم نے عیسائیت پر تحریف کا تیشہ چلا کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص اور جاں نثار حواری بھی اس کے دجل و تلبیس کا شکار ہو گئے، اس طرح "ساؤل"

نے پولس نبی کے نام سے اپنی تمام خرافات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر منڈھ دیں، چنانچہ موجودہ بائبل اور عیسائی عقائد ونظریات سب کے سب اس کی ایجاد واختراع ہے۔

''پولس'' کا تعارف:

''پولس'' کون تھا؟ اس کے نظریات کیا تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے بارہ میں اس کا کیا طرزِ عمل تھا؟ عیسائیت میں وہ کس طرح داخل ہوا؟ حواریوں نے اسے کس طرح عیسائی تسلیم کیا؟ اور اس نے عیسائیت کے نام پر کیا کچھ کیا؟ ان تفصیلات کے لئے مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کے ''بائبل سے قرآن تک'' کے مقدمہ کا ایک اقتباس نقل کردیا جائے، موصوف لکھتے ہیں:

> ''پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ ''کتاب اعمال'' اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداً میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ''ساؤل'' ہے، فلپّیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:
>
> ''آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔'' (فلپّیوں ۳:۵)
>
> اور یہ روم کے شہر ''ترسُس'' کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲:۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں ''کتاب اعمال'' (۷:۵۸) میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام ''ساؤل'' ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد ''کتاب اعمال'' کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب وروز انہیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔
>
> لیکن پھر اچانک اس نے یہ دعویٰ کیا کہ:
>
> ''(یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اس نے اگرپّا بادشاہ کے سامنے کی تھی۔ تقی) میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی، طرح طرح

سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پاکر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انہیں سزا دلا دلا کر زبردستی ان سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جاکر انہیں ستاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آچمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ: اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پَینے کی آر پر لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے۔ میں نے کہا: اے خداوند! تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں! جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہوکر میراث پائیں۔'' (اعمال۲۶:۹تا۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں ''خداوند یسوع مسیح'' پر ایمان لاچکا ہوں، اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کرکے ''پولس'' رکھ لیا تھا۔ شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ ان پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری ''برنباس'' نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہوگئے، ''کتاب اعمال'' میں ہے:

''اس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر ''برنباس'' نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اِس نے اِس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں ان کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی کرتا تھا، مگر وہ اسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے ''قیصریہ'' میں لے گئے اور ''ترسُس'' کو روانہ کر دیا۔'' (اعمال ۹:۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا۔

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد ونظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی۔'' (ص:۱۰۷ تا ۱۰۹)

آنحضرتؐ سے عداوت:

یہودیوں نے جب تورات وانجیل میں تحریف کر کے تمام سابقہ ادیان کی شکل مسخ کر دی اور کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت پر برقرار نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ورسالت کے اعزاز سے سرفراز فرمایا، قرآن کریم جیسی کتابِ ہدایت عطا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کی سیادت کا شرف عطا فرمایا، اور نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اعلانِ نبوت سے یہودیوں کے پیٹ میں یہ مروڑ اُٹھنے لگی کہ نبوت ورسالت کا سلسلہ بنی اسحٰق سے بنی اسماعیل میں کیونکر منتقل ہو گیا؟ اس لئے انہوں نے ایک طرف اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کا انکار کر دیا تو دوسری طرف وہ اس ادھیڑ بن میں لگ گئے کہ نعوذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح

جان چھڑائی جائے؟؟ چنانچہ زبانی واعتقادی اختلاف اور مخالفت کی بجائے انہوں نے عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی شروع کردی، کہیں آپ پر بھاری پتھر گرا کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی تدبیر کی گئی، تو کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر آپؐ کے چراغِ زندگی کو گل کرنے کی ناپاک اور مذموم کوشش کی گئی۔

مگر وعدۂ الٰہی: ”وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔“ (اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا) اور ”اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔“ (بے شک ہم نے قرآن کریم اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) کے تحت جب وہ اپنے ان تمام ہتھکنڈوں میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے نفاق کے پردہ میں چھپ کر اسلام کا لبادہ اُوڑھ لیا۔ یوں انہوں نے نفاق کے قلعہ میں بیٹھ کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو ختم کرنے اور نقصان پہنچانے کی زیرزمین کوششیں اور سازشیں شروع کردیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تو ان کی یہ سازشیں کامیاب نہ ہوسکیں، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ”عبداللہ بن سبا“ نامی یہودی النسل منافق نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس خوفناک انداز سے تحریک چلائی، بلاشبہ اگر اس دین اور کتاب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے نہ لیا ہوتا، تو اس کا حشر بھی سابقہ ادیان سے کچھ مختلف نہ ہوتا...!

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی برکت، حضراتِ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی مساعی اور امتِ مسلمہ کی بیداری کا ثمرہ ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول، عبداللہ ابن سبا، اس کی روحانی، معنوی اور حقیقی ذریت سمیت، آج تک کوئی اسلام کے تابناک چہرے کو نہیں بگاڑ سکا، اور انشاء اللہ! قیامت تک وہ اپنے اس ناپاک منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

ابن سبا کا کردار:

”عبداللہ بن سبا“ کون تھا؟ اس کا مسلمانوں کے بارہ میں کیا کردار تھا؟ کس طرح اس نے اپنے نظریات کو مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کی؟ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ ”تحفۂ اثنا عشریہ“ (باب اول) میں لکھتے ہیں:

ترجمہ:...... ”جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست کافروں کے ممالک، بہ عنایتِ خداوندی صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار نگوں سار کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان کے اموال کو غنیمت بنانے کا اتفاق ہوا، اور ان کافروں کو کمال درجے کی ذلت وعار لاحق ہوئی.....تو ناچار خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا، اور مکر وفریب کی مضبوط رسّی کو مضبوط تھاما، لہٰذا ان کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں داخل کر دیا اور مسلمانوں میں گھس کر نورِ اسلام کے بجھانے اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ وفساد اور بغض وعناد ڈالنے کے درپے ہوئے، اور اس مقصد کے لئے حیلہ وتدبیر کرنے لگے.......

اس سازشی ٹولے کا سربراہ عبداللہ بن سبا یہودی یمنی صنعانی تھا، جس نے برسوں تک یہودیت میں تلبیس واضلال کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ وہ دغا وفریب کی شطرنج کا تجربہ کار کھلاڑی تھا، فتنہ انگیزی کے سرد وگرم کو خوب چکھے ہوئے تھا، اور اس لق دق میدان کے نشیب وفراز طے کر رکھے تھے۔ الغرض فتنہ پروری کا بہت ہی ماہر و تجربہ کار تھا۔ اس نے اہل فتنہ میں سے ہر ایک کو ایک الگ طریقہ سے فریب دینا شروع کیا، اور ہر ایک کی استعداد کے مناسب گمراہی کا بیج بونے کی بنیاد رکھی۔

پہلے تو اس نے خاندانِ نبویؐ سے کمال محبت واخلاص کا اظہار کیا، اور اہل بیت سے محبت رکھنے اور اس معاملہ میں خوب پختگی اختیار کرنے کی ترغیب دینی شروع کی، خلیفہ برحق کی جانب کو لازم پکڑنے، دوسروں پر اس کو ترجیح دینے اور اس کے مخالفوں کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کو بیان کرنے لگا، اس کی یہ ترغیب ہر عام وخاص میں مقبول اور تمام اہل اسلام کے لئے مرغوب ہوئی، اور اس سے لوگوں کو اس کی نصیحت وخیر خواہی کا اعتقاد ہوا۔ جب ایک جماعت کو اس دامِ فریب میں گرفتار کر لیا تو سب سے پہلے تو انہیں یہ القا کرنا شروع کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، برادر اور داماد ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل ہوگئے ہیں اور یہ بات ان کے ذہنوں میں خوب راسخ اور پختہ ہوگئی ہے تو اپنے خصوصی ہمرازوں اور چیدہ چیدہ دوستوں کو ایک نئے بھید کی تعلیم دی کہ حضرت مرتضیٰؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نص صریح کے ساتھ خلیفہ بنایا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی آیت: "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ" سے مستنبط ہوتی ہے، لیکن صحابہؓ نے جبر ومکر سے پیغمبر کی وصیت کو ضائع کردیا، انہوں نے خدا ورسول کی اطاعت نہیں کی، حضرت مرتضیٰؓ کے حق کو غصب کرلیا اور سب کے سب طمع دنیا کی خاطر دین سے برگشتہ ہوگئے ...... اس کے اس وسوسہ کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو شروع ہوگئی۔ حضرت امیرؓ کے لشکریوں میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر سبّ وطعن کا سلسلہ جاری ہوگیا اور باہمی مناظروں اور مجادلوں کی نوبت آنے لگی، یہاں تک کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے برسرمنبر خطبے ارشاد فرمائے اور اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور کچھ لوگوں کو وعید سنائی اور ان پر حد لگانے کی دھمکی دی۔

ابن سبا نے جب دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھا اور اہل اسلام کے عقیدہ میں فتنہ وفساد راہ پانے لگا، چنانچہ مسلمان اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آپس میں الجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کررہے ہیں تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنے خاص الخاص شاگردوں کو چنا اور دوسروں سے خلوت میں لے جاکر پہلے ان سے عہد و پیمان لیا اور پھر ایک اور بھید جو زیادہ باریک اور زیادہ نازک تھا، ان کے سامنے کھولا۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ سے بہت سی ایسی چیزیں صادر ہوتی ہیں جو بشر کی قدرت میں نہیں ...... یہ تمام چیزیں الوہیت کے خواص ہیں جو ان سے ظہور پذیر ہورہے ہیں، اور ناسوت کے لباس میں لاہوت جلوہ فرما ہے، لہٰذا خوب سمجھ لو کہ علیؓ خود "خدا" ہیں ان کے سوا کوئی خدا نہیں ......

مثل مشہور ہے کہ ''جو بھید دو آدمیوں سے گزر جائے وہ فاش ہو جاتا ہے'' چنانچہ رفتہ رفتہ یہ قبیح نظریہ فاش ہو گیا اور حضرت مرتضیٰؓ تک پہنچا، آپ نے ان لوگوں کو ابن سبأ کے ساتھ بلا کر آگ میں جلانے کی دھمکی دی، ان سے توبہ کرائی، اس کے بعد مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا......پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اہل لشکر میں اس شیطان لعین کے وسوسہ کے رد و قبول کے نتیجہ میں چار فریق ہو گئے۔''

صرف اہل سنت ہی نہیں، اثنا عشریہ کے اکابر بھی عبداللہ بن سبأ کے بارہ میں اس سے کچھ مختلف نظریہ نہیں رکھتے، چنانچہ ''رجال کشی'' اور ''بحار الانوار'' کے مصنفین بالترتیب ابن سبأ کے بارہ میں یہی کہتے ہیں، چنانچہ علامہ مامقانی ''تنقیح المقال'' میں اور علامہ مجلسی ''بحار الانوار'' میں ''رجال کشی'' سے نقل کرتے ہیں:

ترجمہ:......''بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبأ یہودی تھا، پس اسلام لے آیا اور علی علیہ السلام کی ''ولایت'' کا قائل ہوا۔ یہ اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون (علیہ السلام) کے بارے میں غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی ہیں، پس اسلام لانے کے بعد اسی قسم کی بات وہ علی علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپؐ کے وصی تھے۔

یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ مشہور کیا کہ علی علیہ السلام کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور اس نے حضرت علی کے دشمنوں پر (جس سے اس ملعون کی مراد خلفائے راشدینؓ تھے) اعلانیہ تبرا کیا، اور حضرت علی کے مخالفین کو واشگاف کیا اور ان کو کافر کہا۔

یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ: تشیع اور رافضیت، یہودیت کا چربہ ہے۔'' (بحار الانوار ج:۲۵ ص:۲۸۷)

عبداللہ بن سبأ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا، ''رجال کشی'' میں حضرت صادق رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

ترجمہ:......''عبداللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو! کہ اس نے امیر المؤمنین کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ اللہ کی قسم! امیر المؤمنین علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ باندھے، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے، ہم اللہ کے سامنے ان لوگوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں (دو مرتبہ فرمایا)۔'' (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸۶)

اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لئے نبوت کا بھی دعویٰ رکھتا تھا، علامہ مجلسی نے ''رجال کشی'' اور ''مناقب آلِ ابی طالب'' کے حوالے سے امام باقر رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

ترجمہ:......''عبداللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ رکھتا تھا، اور کہتا تھا کہ: امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس کی یہ بات پہنچی تو اسے بلا بھیجا، اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا. اور کہا کہ: ہاں! آپ وہی ہیں، میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ اللہ ہیں اور میں نبی ہوں۔'' (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸۷)

پولس اور ابن سبا کی معنوی اولاد کا جدید کارنامہ:

بلاشبہ ابن سبا اور اس کی ذریت چودہ سو سال سے مسلسل ناکامی کا منہ دیکھتی آرہی ہے، مگر تاحال انہوں نے اس ناکامی کے باوجود نہ شکست تسلیم کی ہے اور نہ میدان چھوڑا ہے، بلکہ وہ ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!'' کے مصداق وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو گمراہ کرنے، ان کو اکابر و اسلاف کے راستہ سے ہٹانے، ان کے اکابر و اسلاف کو بدنام کرنے اور ان کی طرف خالص ملحدانہ عقائد منسوب کرکے، اپنے کھوٹے سکّے چلانے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں، چنانچہ حالات و واقعات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ پولس اور ابن سبا کی ذریت اب بھی موجود اور اس کا مذموم کردار متحرک ہے، اور وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح اب بھی اسلام اور اسلامی عقائد کے قلعہ میں نقب لگا کر اسے مسمار کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

گزشتہ چند سالوں سے سننے میں آرہا تھا کہ اسلام کے نام پر کفر، دین کے نام پر بے دینی، تحقیق کے نام پر تحریف اور عقائد و ایمانیات کے نام پر الحاد کا زہر پھیلایا جارہا ہے، جس کا سب سے

بھیانک پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک عالم دین حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی رحمہ اللہ کے نام پر کیا جارہا ہے، جو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مسترشد، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص دعوت والارشاد کے مشرف ونگران رہے ہیں۔

مولانا محمد اسحٰقؒ کی مظلومیت کا پس منظر:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی رحمہ اللہ کا نشو ونما چونکہ لکھنؤ کی فضا میں ہوا تھا، ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے مدرسہ میں ہوئی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت وعظمت ان کی روح وقلب میں پیوستہ تھی، پھر ان کی عمر عزیز کا قیمتی حصہ بھی لکھنؤ کے اسی ماحول میں گزرا تھا، اور انہوں نے شانِ صحابہ میں لوگوں کی چیرہ دستیوں اور تحریک مدحِ صحابہ کی جولانیوں کو بچشم خود دیکھا تھا، اس لئے دشمنانِ صحابہ کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا، ادھر محمود احمد عباسی کی تحریکِ ناصبیت بھی بظاہر حمایتِ صحابہ کے پردے میں اٹھائی گئی تھی، جس نے ہمارے دینی مدارس کے بہت سے فضلاً کو بھی متأثر کیا اور بہت سے نوجوان علمأ نے رافضیت کے ردِّعمل میں محمود احمد عباسی کے افکار کی آبیاری شروع کردی، اور اسی کو مسلکِ اہل سنت کی خدمت تصور کیا، ان حضرات نے مولانا مرحوم کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا، مرحوم کو امام اہل سنت کا خطاب دے کر ان کا قرب حاصل کیا اور مرحوم سے اپنی کتابوں پر تقریظیں لکھوانی شروع کردیں، اس طرح مولانا مرحوم کو اس تحریکِ ناصبیت کے قائد کی حیثیت سے پیش کیا۔

۱۴۰۳ھ میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ نے ''مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کراچی، کا مسلک اور خارجی فتنہ'' تحریر فرمائی، جس پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے نہایت مفصل اور عادلانہ تبصرہ لکھا، حضرت مرحوم نے اس پر شدید ردِّعمل کا اظہار فرمایا اور جامعہ سے استعفیٰ دے دیا۔

حضرتؒ کے جامعہ سے ترکِ تعلق کا اربابِ جامعہ اور خدام کو تو بے حد افسوس اور صدمہ ہوا، لیکن جن لوگوں کے تعلق کی وجہ سے یہ افسوسناک سانحہ رونما ہوا، ان کو اس سے خوشی ہوئی، کیونکہ ان لوگوں کو اپنے افکار ونظریات مولانا کی طرف منسوب کرنے سے اب کوئی مانع نہیں رہا، تاآنکہ

۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳ / اکتوبر ۱۹۹۵ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حضرت مرحوم کی رحلت کے بعد ان کے نام نہاد معتقدین اور بدخواہوں، بلکہ صحیح معنی میں ان کے دشمنوں نے ان کی تصنیف ''دینی نفسیات'' کو اپنی تحریفات کا نشانہ بناتے ہوئے اُسے نئی کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا، جس میں ایسی کتر بیونت اور تحریف و مسخ کا مظاہرہ کیا، کہ بلاشبہ انہوں نے اس میدان میں اپنے پیش رو پولس اور عبداللہ بن سبا کے بھی کان کتر ڈالے۔ یقیناً اس موقع پر شیطان بھی انگشت بدنداں ہوگا کہ یہ ''عقل'' تو اسے بھی نہ سوجھی تھی۔

''دینی نفسیات'' پہلی بار حضرت بنوری رحمہ اللہ کے حکم سے جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی طرف سے جنوری ۱۹۷۲ء میں ۲۰×۳۰×۱۶ سائز کے ۲۲۴ صفحات پر شائع ہوئی تھی، جس میں حضرت مصنفؒ نے کتاب کو دو حصوں پر تقسیم کیا۔ حصہ اول اور حصہ دوم۔ پھر حصہ اول کو درج ذیل دو ابواب پر منقسم کیا: ''انبیاؑ کی خبروں کا اقرار و انکار اور ان کے اسباب'' اور ''انبیاؑ کی خبروں میں شک'' اور ان ہر دو ابواب میں متعدد ذیلی عنوانات بھی قائم کئے گئے تھے۔

اسی طرح حصہ دوم میں سات ابواب قائم کئے گئے تھے، جن کے بالترتیب درج ذیل عنوانات تھے:

''وجودِ باری تعالیٰ۔ توحید و شرک۔ شرک۔ توحید میں شک۔ آخرت۔ رسالت'' اسی طرح ان ابواب کے ذیل میں بھی متعدد ذیلی سرخیاں اور عنوانات قائم کئے گئے تھے۔ پوری کتاب پڑھ جایئے، حاشا وکلا! اس میں کہیں بھی حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ سے تعرض نہیں کیا گیا، مگر:

''چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد''

کے مصداق مصنفؒ کی رحلت کے دو سال بعد ۱۹۹۷ء میں ان ائمہ تلبیس و تحریف نے ''الاسحاق اکیڈمی'' کی جانب سے اُسے نئی کمپوزنگ کے ساتھ ۲۳×۳۶×۱۶ سائز کے ۵۹۱ صفحات پر شائع کیا اور اس کے تین حصے کر دیئے، اور تیسرے حصہ کے بابِ چہارم کو ''مسئلہ نزول مسیح'' کا عنوان دے کر مصنفؒ کی طرف عقیدۂ نزول مسیح کے انکار کی نسبت کر کے حضرت مرحوم کی شخصیت اور ان کے علمی مقام کو داغ دار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

مولانا محمد اسحٰق صدیقی اور عقیدۂ نزول مسیح:

حضرت مولانا مرحوم نے اگر ''عقیدۂ نزول مسیح'' پر کچھ نہ لکھا ہوتا، یا لکھ کر اس سے رجوع

فرمایا ہوتا اور اس سلسلہ کی تحریر یا ثبوت ہوتا تو شاید ارباب تحریف کے پاس جواز ہوتا، اور ان کی یاوہ گوئی پر کوئی کان دھرتا۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت مرحوم اپنی تصنیف ''مسئلہ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں'' کے دوسرے باب میں اپنے عقیدہ کا مفصل تذکرہ فرما کر ارباب تحریف کے سبائی شیش محل کو زمین بوس فرما چکے ہیں، چنانچہ حضرت مرحوم نے اس کتاب میں مستقل ایک باب ''بابِ دوم: نزول مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام'' قائم کر کے پیشگی ان کی تردید فرمادی ہے، اگر خدانخواستہ مصنف مرحوم کی یہ کتاب اور اس کتاب میں دوسرا باب نہ ہوتا تو نہ معلوم ان بدخواہوں نے کیا قیامت برپا کرنی تھی؟

مولانا محمد اسحق صدیقیؒ کی تصنیف ''مسئلہ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں'' پاکستان میں اب تک تین اداروں سے شائع ہوچکی ہے، سب سے پہلی بار حضرت بنوری قدس سرہٗ نے شعبۂ تصنیف و تالیف، جامعہ علوم اسلامیہ کی جانب سے، پھر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان اور آخر میں عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان، ملتان کی جانب سے شائع کی گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنفؒ کے ''علم وعقل کی روشنی میں'' منکرین نزول مسیح کی جہالت و بے عقلی کا جائزہ لینے کے لئے، حضرت مولانا محمد اسحق صدیقیؒ کا ''عقیدۂ نزول مسیح'' ان کی کتاب سے، انہیں کے الفاظ میں پورا، پورا نقل کردیا جائے، ملاحظہ ہو، حضرت کا ''عقیدۂ نزول مسیح'' پڑھئے اور سر دھنئے!:

''نزولِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام''

''ارشاداتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں، نیز اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ عمرِ دنیا کے اختتام کے قریب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور امتِ محمدیہ علیہ الف الف تحیہ میں شامل ہوکر اپنے برکات وفیوض سے امت کو مستفیض فرمائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ اشکال پیش آئے کہ یہ صورت واقعہ ختم نبوت کے منافی معلوم ہوتی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہوجانے کے بعد کسی نبی کے تشریف لانے کے کیا معنی؟

بادی النظر میں یہ اشکال کچھ وقیع نظر آتا ہے، لیکن غور کیجئے تو صرف سطح بینی اور قلتِ فکر

کا نتیجہ نظر آتا ہے، پچھلے صفحات ملاحظہ فرمائیے! ہم نے ختم نبوت کی تشریح کے سلسلہ میں ہمیشہ یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ: ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہوسکتی''، جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو ابتداءً یہ منصبِ عظیم عطا فرما کر اور سندِ نبوت دے کر نہیں بھیجا جاسکتا، اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاءِ سابقین میں سے کوئی نبی بھی دوبارہ دنیا میں نہیں تشریف لاسکتے۔ بعثت کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو تاجِ نبوت سے سرفراز فرما کر ہدایتِ خلق اللہ کا کام سپرد فرمائیں، جو پہلے ہی منصبِ نبوت پر سرفراز ہوچکے ہوں انہیں دنیا میں دوبارہ بھیج دینے کو بعثت نہیں کہتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوچکی اور وہ بنی اسرائیل میں اپنا کام انجام دے کر زندہ آسمان پر تشریف لے گئے، نہ انہیں طبعی موت آئی، نہ شہید کیا جاسکا، جیسا کہ قرآن مجید سے صاف عیاں ہے، اب اگر وہ دوبارہ آسمان سے دنیا میں تشریف لائیں تو یہ ختم نبوت کی منافی کیوں ہے؟ اور اس سے سلسلۂ نبوت کا جاری ہونا کس طرح لازم آتا ہے؟

مثال ذیل جواب کی مزید توضیح کردے گی۔ ایک شخص کسی ملک کی سول سروس میں داخل ہوکر کسی صوبہ کا گورنر مقرر ہوتا ہے اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد کسی دوسرے ملک چلا جاتا ہے، کچھ مدت کے بعد وہ اسی صوبہ میں پھر آتا ہے، مگر گورنر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے، تو کیا اس سے موجودہ گورنر کے عہدہ اور اعزاز میں کوئی فرق پیدا ہوجائے گا؟ یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس صوبہ میں اس وقت دو گورنر موجود ہیں؟ اس کے ساتھ سابق گورنر کے پاس جو سند سول سروس کی ہے وہ بھی باقی رہے گی اور اس کے اس اعزاز میں بھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی سندِ نبوت بھی بدستور قائم رہے گی، مگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ ختمِ نبوت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے گا۔

اسی مقام سے ہمیں اصل اشکال کے ایک دوسرے جواب کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بحیثیت نبی کے نہ ہوگی، بلکہ خاتم النبیین ؐ کے ایک امتی کی حیثیت سے ہوگی، وہ نہ تو کوئی نئی کتاب لائیں گے، نہ کوئی دوسری شریعت بلکہ

قرآنِ مجید اور شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ، ہی پر عمل فرمائیں گے، یہاں تک کہ انجیل جو خود ان پر نازل ہوئی تھی اسے بھی لے کر نہیں تشریف لائیں گے، نہ اس پر عمل پیرا ہوں گے، بلکہ اس کے بجائے قرآن مجید ہی پر عمل کریں گے، ایسی حالت میں اس کا وہم کرنا بھی نادانی ہے کہ ان کا تشریف لانا ختم نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہے، روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کی تشریف آوری ہرگز ختم نبوت کے منافی نہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوبارہ تشریف آوری کا خاص مقصد مسیح دجال کو قتل کرنا اور اس کے شر سے امتِ محمدیہ علیہ الف الف تحیہ، کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی سلطان کسی خاص مجرم کو سزا دینے کے لئے کسی شخص کو مامور کرے، اس مدت کے لئے اس شخص کے کسی حصہ ملک میں جانے سے اس حصہ کے حاکم کی حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا، یہ جب تک اس حصۂ ملک میں ہے اس وقت تک اسی حاکم کے ماتحت سمجھا جائے گا اور اسے حاکم کسی حالت میں بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فتنۂ دجال کے استیصال کے لئے تشریف لائیں گے، اس حالت میں ان کی حیثیت امتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرد کی ہوگی، اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ خاتم النبیین پر ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

نزولِ مسیح دلیل ختم نبوت:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے اور جو تفکر کی راہ، ایمان کی روشنی میں طے کرتا ہے، وہ اگر فہم وتأمل سے کام لے تو اسے نظر آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری ختم نبوت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منافی ہونے کے بجائے اس کی مزید تائید کررہی ہے، اور عقیدۂ ختم نبوت کی ایک مستقل دلیل وبرہان ہے۔

اپنے ذہن سے سوال کیجئے کہ قتل دجال اور اس کے فتنہ کے استیصال کے لئے مخصوص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی کیا ضرورت ہے؟

اگر اس کارِ عظیم کے لئے نبوت ہی کی معجزانہ قوت درکار تھی تو کسی نئے نبی کی بعثت سے بھی یہ فائدہ حاصل ہوسکتا تھا؟ مسیح بن مریم علیہما السلام کا نزول ہی اس کے لئے کیوں تجویز

فرمایا گیا؟

سوال خود مفتاحِ جواب ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک قدیم نبی کو بھیجنے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ بابِ نبوت بند ہو چکا ہے، یہ منصبِ عظیم اپنے جن بندوں کے لئے مَلِک علّام نے مقدر فرمایا تھا وہ اس پر فائز ہو چکے، یہی وجہ ہے کہ ایک اہم جزئی کام کے لئے جو نبوت کی معجزانہ قوت کا محتاج تھا، کسی نئے نبی کے بجائے ایک قدیم ہی نبی کو دوبارہ بھیجا جا رہا ہے۔

دوسری طرف اس حقیقت کی نقاب کشائی فرمادی گئی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس قدر بلند و برتر ہے اور خاتم النبیین کا تاجِ کرامت آپ کے سرِ اقدس پر اس قدر موزوں ہے کہ اگر کوئی قدیم نبی بھی آپ کے بعد تشریف لائیں تو وہ بھی آنحضور کے ایک امتی کی حیثیت اختیار کرلیں گے اور ان کو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا پڑے گی۔

یہ مفید اور دلچسپ نکتہ بھی یاد رکھئے کہ انبیاؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عالمِ دنیا سے جانے کے بعد بھی اعلیٰ درجہ کی حیاتِ طیبہ حاصل رہتی ہے، شہداءؑ کو صریح طریقہ سے قرآن حکیم نے ''احیاء'' یعنی زندہ کہا ہے، بلکہ انہیں مردہ کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صدیقین کی حیات ان سے بھی اعلیٰ اور قوی تر ہوتی ہے، اور انبیاؑ علیہم السلام کی حیاتِ مقدسہ تو سب سے زیادہ اعلیٰ و قوی تر ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب انبیاؑ علیہم السلام از حضرت آدم علیہ السلام تا خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ چنانچہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداءً بھی مسجدِ اقصیٰ میں کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں امامت فرمائی تھی، تو کیا ان کا وجود ختم نبوت کا منافی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہورِ ثانی بھی ختم نبوت کے نہ منافی ہے، نہ سلسلۂ نبوت جاری رہنے کا کوئی ثبوت۔ ہم نے ''ظہورِ ثانی'' کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے، نکتہ یہ ہے کہ دوسرے انبیاؑ و مرسلین کی طرح موجود اور زندہ تو وہ اب بھی ہیں، لیکن اس دنیا کے اشخاص کے سامنے ظاہر نہیں ہیں، ان کا ایک ظہور ہو چکا ہے اور دوسرا ظہور قیامت کے قریب ہوگا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، محض دوبارہ ظہور سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی، یا سلسلۂ نبوت جاری ہے،

اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ ختم نبوت کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو مرتبہ نبوت پر سرفراز نہ فرمایا جائے گا تو کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

قبل یا بعد:

جی چاہتا ہے کہ آپ اس مسئلہ پر کچھ دیر اور غور کریں، تا کہ ایک مغالطہ سے نجات حاصل کرلیں جو نظر کی غلطیوں کی طرح ذہنی بصیرت کی غلطی کا رہین منت ہے۔

بے شک حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اس وقت ہوگا جب دنیا اپنی حیات ناپائیدار کے آخری دن بسر کررہی ہوگی، لیکن کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام بعثتِ محمدیہ علیہ الف الف تحیہ، کے بعد ہوگا؟ آپ فرمائیں گے کہ: ہاں! میں کہوں گا: نہیں! بلکہ یہ ایک مغالطہ اور نظر کی غلطی ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہوتے ہیں، مگر حقیقت اس کے خلاف ہے، یعنی نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ ظہور یقیناً ظہور عیسوی کے بعد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ کے لحاظ سے مقدم کہنا چاہیئے، اگر یہ نظریہ جو بادی النظر میں بہت عجیب معلوم ہوتا ہے، صحیح ہے، اور میں ثابت کروں گا کہ صحیح ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کے بعد ہیں، اس کے بعد ختم نبوت کے بارے میں جو اشکال نظر کی سطحیت سے پیدا ہوا تھا، وہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر موتِ جسمانی طاری نہیں ہوئی، بلکہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کی حیاتِ طیبہ جس کی ابتدا ان کی پیدائش کے وقت سے ہوئی تھی آج تک مستمر ہے، اور اس وقت تک مستمر رہے گی جب تک وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لاکر عام انسانوں کی طرح جسمانی طور پر بھی انتقال نہ فرما جائیں، ان کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کا زمانہ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ان کی اس عمر طویل کا ایک حصہ ہوگا، نہ کہ کوئی جدید پیدائش، ان کی اس طویل عمر کے ایک حصہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور دوسرے حصہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ پیش آیا، ان کی پیدائش بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہوئی اور ان کی بعثت بھی بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم ہے، تو

کیا کوئی سمجھدار شخص کہہ سکتا ہے کہ محض طول عمر کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ لحاظِ زمانہ مؤخر ہیں؟

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہے، جن پر موت طاری کردی گئی تھی اور ایک سو سال کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا، سو سال کی مدت بہت ہوتی ہے، اس میں حضرت عزیر علیہ السلام کی اولاد اور اولاد در اولاد کا خاصا سلسلہ وجود میں آگیا، کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ممدوح کی یہ اولاد ان سے عمر میں بڑی تھی؟ یا ان پر زمانہ کے اعتبار سے مقدم تھی؟ یا ان کا وجود ان کی اولاد کے بعد ہوا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس سے زیادہ صاف ہے، ان پر تو موت بھی نہیں طاری ہوئی، وہ اسی حیاتِ قدیمہ کے ساتھ اب بھی موجود ہیں۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا کہنا کھلی غلطی ہے، یقیناً وہ خاتم النبیین سے پہلے ہیں اور ان کا تقدم اس وقت بھی قائم رہے گا جب وہ قیامت کے قریب آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے، مگر چونکہ یہ زمانہ نزول و وفات، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہوگا، اس لئے یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی تشریف لائیں گے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے وہ بعد میں نہیں بلکہ قبل ہیں، ان کی پیدائش، بعثت، دعوت ہر چیز کو نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، بعثت اور دعوت سے پہلے ماننے کے بعد محض ان کی عمرِ طویل کی وجہ سے انہیں مؤخر کہنا ایک مغالطہ ہے، جس کی غلطی اظہر من الشمس ہے۔

اس حقیقتِ واقعی کی وضاحت کے بعد سرے سے اشکال کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل بے غبار اور مثل آفتاب نصف النہار، روشن و تاباں ہو جاتا ہے، ختم نبوت پر حرف صرف اس صورت میں آسکتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی پیدائش یا بعثت کا ثبوت مل سکے اور یہ ایسی ناممکن بات ہے کہ جس کا ثبوت قیامت تک نہیں مل سکتا۔

نزولِ مسیح کی حکمت:

اگرچہ بحیثیت مسلمان ہمیں اس جستجو کی کوئی حاجت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

دوبارہ تشریف لانے میں کیا راز اور حکمت ہے؟ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کی خبر پر ایمان لائیں اور یہ یقین کریں کہ رب حکیم وعلیم کے نزدیک کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی جس کا علم ہمارے لئے کچھ ضروری نہیں، لیکن اگر کوئی حکمت قرآن وحدیث میں غور کرنے سے اصولِ دین کے مطابق سمجھ میں آرہی ہوتو اس کا اظہار صرف جائز ہی نہیں بلکہ انشاءاللہ! بہت نافع بھی ہوگا۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت جن مقاصد کے لئے ہوئی تھی ان میں ایک نمایاں مقصد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت وخوشخبری دینا بھی تھا:

”وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ....“ (الصف)

ترجمہ:......”اور جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے فرمایا کہ: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں، اس حالت میں کہ میں تورات شریف کی تصدیق کرنے والا اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے، اور جس کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔“

یہ بشارت آپ نے دی، مگر آپ کی سماعت کرنے والے اقل قلیل تھے، یہود نے آپ کی تکذیب کی اور صرف تکذیب نہیں کی بلکہ آپ کے جانی دشمن ہوگئے اور آپ کو شہید کردینے کا عزم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی سازش کو ناکام بنادیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، یہود ناکام ونامراد رہے، مگر ان کی عداوت میں کمی نہ آئی، یہاں تک کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی، جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، انہیں سخت عداوت ہوگئی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا.....“ (المائدہ)

ترجمہ:......”آپ اہل ایمان کے سب سے بڑے دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے۔“

آسمان پر جانے سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام برابر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے رہے اور اپنے اس مقصدِ بعثت کو پورا کرتے رہے۔ اگر بالفرض وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ اپنے اس مقصدِ بعثت کو کس طرح پورا کرتے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام محمدی پر عمل کرنے کی دعوت دیتے، گویا ان کی تبشیر کا عنوان یہ ہوتا کہ: لوگو! میں نے جن نبی کی تم سے پیشین گوئی کی تھی وہ یہی ہیں۔

یہی خاتم النبیین ہیں ان پر ایمان لاؤ، اور ان کی شریعت پر عمل کرو۔ اس عنوان سے بشارت دینے کا موقع حضرت مسیح علیہ السلام کو اب تک نہیں ملا، قیامت کے قریب جب فتنۂ دجال ظاہر ہوگا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا موقع عطا فرمایا جائے گا کہ وہ اپنے مقاصدِ بعثت میں سے اس مقصدِ عظیم کی تکمیل فرمائیں اور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اس عنوان سے بشارت دے سکیں کہ: لوگو! خاتم النبیین وسید الاولین والآخرین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو، انہیں کے متعلق میں نے تم سے پیشین گوئی کی تھی اور انہیں کی اتباع اس وقت رضائے الٰہی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ خود اہل ایمان کو بھی اس وقت بشارت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ وہ دجال کی کامیابیوں اور اس کی شدید فتنہ انگیزی کی وجہ سے جن کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہوگا، بہت دل شکستہ ہوں گے، ایسی حالت میں مسیح علیہ السلام کی بشارت ان میں نئی روح پھونکے گی، ان کا ایمان تازہ اور قوی ہوگا اور انہیں سکونِ قلب حاصل ہوگا، ادھر ان کا یہ فائدہ ہوگا ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ایک فریضہ رسالت سے عہدہ برآ ہوں گے، احادیث میں فتنۂ دجال کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر غور کرنے سے نزولِ مسیح علیہ السلام کا ایک دوسرا راز بھی کھلتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال یہود میں سے ہوگا، اور اس فسادِ عظیم کا سرچشمہ بھی اسی مفسد اور مغضوب علیہم قوم میں ہوگا، جنہیں: "اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ" (البقرہ) (خبردار ہوجاؤ کہ یہی لوگ مفسد ہیں) کی سند قرآنِ مجید نے دی ہے۔

ان کی فساد انگیزی اور فتنہ پردازی کا آخری اور کامل ترین مظہر دجال ہوگا، یہود کو جو دشمنی وعداوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہی چیز مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ان کے اس آخری فتنہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے دستِ مبارک سے

خاک میں ملوایا جائے، تاکہ یہ ذلیل ومفسد قوم انتہائی ذلیل وخوار ہو۔

کاروانِ خیال اسی راہ سے ایک تیسری حکمت کی منزل تک جا پہنچتا ہے، یہود مدعی ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دے کر شہید کردیا، قرآن مبین کا ارشاد ہے:

”وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ.....“ (النسا)

ترجمہ:.....”یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکے، نہ انہیں سولی دے سکے، بلکہ انہیں اشتباہ ہوگیا۔“

موجودہ عیسائیت بھی یہودیت کی ایک شاخ ہے، اس لئے وہ بھی صلیبِ مسیح کی تعلیم دیتی ہے، دنیا کے آخری دور میں جو کہ اتمامِ حجت کا دور ہوگا، قرآن مجید کی اس صداقت اور یہود ونصاریٰ کی اس غلطی وگمراہی کے اظہار واثبات کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بہ نفس نفیس تشریف لانا بہت ہی مناسب پُر از حکمت اور موجبِ ہدایت ہے، ممدوح کی آمد قرآن مجید کی تصدیق اور نبوت محمدیہ علیہ الف الف تحیہ، کی ایک دلیل و برہان کے طور پر ہوگی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ صلیبِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ موجودہ محرف مسیحیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، جو یہود کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسیحیوں میں رائج ہوگیا، اسی پر عقیدۂ کفارہ کی بنیاد ہے جس نے اس قوم میں آخرت فراموشی کا مرض پیدا کردیا۔ مسیح علیہ السلام کا تشریف لانا خود اس عقیدۂ باطلہ کو صلیب دینے کے مرادف ہے، اس برہانِ جلی بلکہ مشاہدے کے بعد ان ”ضالین“ اور کج رولوگوں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا، اور اسلام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرنا ان کے لئے ضروری ولازم ہوجاتا ہے۔“ (ص:۱۲۱ تا ۱۳۲)

اسی طرح موصوفؒ اسی کتاب کے اسی باب کے آخر میں ص:۱۶۳ پر ”تیسرا مغالطہ“ کے عنوان کے تحت قادیانیوں کے عقیدۂ مثیلِ مسیح کی تردید کرتے ہوئے، مسئلہ نزولِ مسیح کو مکرر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تیسرا مغالطہ“:

”منکرینِ ختم نبوت کا گروہ کج فہمی کے ساتھ بے حیائی، خیانت اور دروغ بافی میں بھی اپنی نظیر آپ ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنے اور ناواقفوں کو

دجل وفریب میں مبتلا کرنے میں انہیں ذرہ برابر بھی باک نہیں ہوتا، نہ اس قسم کے افعال شنیعہ کے ارتکاب میں انہیں شرم آتی ہے، اس کا ایک نمونہ ''مثیلِ مسیح'' کا مہمل ولغو نظریہ بھی ہے، جسے یہ لوگ دوسروں کی آنکھوں میں دھول کی طرح جھونکنے کی سعی لاحاصل کیا کرتے ہیں۔

اس غلط اور مفتریانہ نظریہ میں ان لوگوں نے نزولِ مسیح علیہ السلام کے عقیدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے، اور دلیل و برہان سے اپنی تہی دستی کی توثیق مزید کردی۔

صفحات ماسبق میں گزر چکا ہے کہ اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور مسیح دجال کو قتل کر کے دین اسلام پھیلائیں گے۔

ان دشمنانِ دین نے اس عقیدے کا تغلب (**Expoloitation**) کرلیا اور اس میں تحریف کر کے فوراً مسیح کی تفسیر ''مثیلِ مسیح'' کے ساتھ کرڈالی۔ ان کے نزدیک احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شخصی طور پر مراد نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی بعثت مراد ہے جو اوصاف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا، اس کے بعد میدانِ کذب وافترا میں دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ ایک کذاب ومفتری مدعی نبوت کو مثیل عیسیٰ علیہ السلام قرار دے کر اس قسم کی حدیثوں کا مصداق قرار دے دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اتنا ہی سوچتے کہ:

عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

تو شاید اپنی ابلہی اور حماقت سے باز آجاتے، عقل ونقل کی نگاہ میں یہ مثیلِ مسیح کا خانہ ساز نظریہ سرتاپا باطل ہے، اس میں سچائی اور حقیقت کا شائبہ بھی نہیں:

۱:......اس کے لغو و باطل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ زبان وبیان اور عقل ونقل کے کسی اصول سے بھی لفظ ''مسیح وعیسیٰ'' کے معنی ''مثیلِ مسیح وعیسیٰ'' قرار دینا صحیح نہیں ثابت ہوسکتا، اگر بغیر کسی قرینہ اور قاعدے کے کسی لفظ کے معنیٰ حقیقی کو ترک کردینا اور معنیٰ مجازی مراد لینا جائز ہو تو فہمِ مراد مشکل اور افہام وتفہیم ناممکن ہوجائے، خصوصاً قرآن وحدیث کو تو سمجھنا اور بھی محال ہوجائے کیونکہ ہر لفظ میں مجاز کا اشتباہ ہوگا، اس لئے زبان وبیان کے

ماہرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر لفظ سے ہمیشہ اس کے معنیٔ حقیقی ہی مراد لئے جائیں گے، سوا اس صورت کے کہ جب کوئی قرینہ صارفہ معنیٔ مجازی مراد لینے کو ترجیح دے رہا ہو، منکرینِ ختم نبوت کے اولین و آخرین مل کر بھی کوئی قرینہ اس قسم کا پیش نہیں کر سکتے جو معنیٔ مجازی کی طرف اشارہ کرر ہا ہو، قرینہ سے اس تہی دستی کے باوجود معنیٔ مجازی یعنی مسیح وعیسیٰ سے مثیلِ مسیح وعیسیٰ مراد لینا اول درجہ کی ضد اور افتر اپردازی ہے۔

قاعدہ ہے کہ انسان ایک جھوٹ نباہنے کے لئے دس جھوٹ اور بولتا ہے، منکرین نے اس اصول کے ماتحت قرینہ ودلیل سے اپنی بے مائیگی کا احساس کر کے اس گرتی ہوئی دیوارِ باطل کو سہارا دینے کے لئے یہ جھوٹ تراشا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہے، اس لئے حدیث میں عیسیٰ سے مراد مثیل عیسیٰ نبی ہوسکتا ہے، اس طرح انہوں نے قرآن مجید کی مزید تکذیب کر کے اپنے کفر وطغیان میں اور اضافہ کرلیا۔ ان کا یہ نظریہ قرآن وحدیث کی نظر میں بالکل باطل ولغو ہے، کتاب مبین اور احادیثِ صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور اس وقت بھی زندہ موجود ہیں، متعارف موت ان پر نہیں طاری ہوئی، لیکن اس سے قطع نظر ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ افتر اپردازی اور دروغ بافی کا دوسرا عنکبوتی جال تان کر بھی ان کا مدعائے باطل عنقا ہی رہا، کیا نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ مردے کو زندہ کردینے پر بھی قادر ہیں؟ خصوصاً انبیاً علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو ایک قسم کی حیات حاصل ہی رہتی ہے، اس میں کیا بعید از قیاس بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ کر کے دوبارہ بھیج دیں، مثیلِ مسیح کے مہمل نظریئے کے لئے تو اس افتر اپردازی کے بعد بھی کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔

۲:...... ''مثیلِ مسیح'' کے نظریہ کی غلطی اور لغویت کی ایک دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ یہ محتاجِ دلیل ہونے کے باوجود محرومِ دلیل ہے۔ مدعیانِ باطل کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب نہیں ہے کہ آخر مسیح سے مثیلِ مسیح کیوں مراد لیا جائے؟

۳:......اس افترأ خالص کے افترأ باطل ہونے کی تیسری دلیل بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اہم مسئلہ میں استعارے کا اسلوب اختیار فرمانے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی تھی؟ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بجائے کسی مثیل عیسیٰ کے نزول کی خبر دینا تھی تو صاف صاف یہی کیوں نہ فرمادیا کہ: ایک مثیل کا ظہور ہوگا؟ رسالت ونبوت کے اس اہم مسئلہ میں یہ گول مول انداز بیان اختیار کرنا اور امت کے ایمان کو خطرے میں ڈال دینا، کیا منصبِ رسالت سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ہر نبی ورسول کی شان اس قسم کے اقوال واعمال سے بہت بلند وبرتر ہے، صاف ظاہر ہے کہ احادیثِ نبویہ کا مفہوم کسی طرح بھی صحیح نہیں جو مرتدین کا یہ گروہ بیان کرتا ہے۔

قرآن مجید اور حدیث پر نظر کرو، تمہیں ایک نظیر بھی اس کی نہ مل سکے گی کہ کسی اہم دینی مسئلہ کو خصوصاً جس کا تعلق بنیادی عقائد سے ہو، اجمال یا ابہام کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہو۔ بات صاف ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو جنت کا راستہ دکھانے اور جہنم سے بچانے کے لئے تشریف لاتے ہیں، کتبِ الٰہیہ بھی اسی مقصد سے نازل ہوئیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عقائد اور ایمانیات کے بارے میں ابہام سے کام لیں اور انہیں استعارے کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کریں، جو بجائے ہدایت کے گمراہی کا سبب بن جائے، علم دین کا ابجد خواں بھی جانتا ہے کہ رسالت کا مسئلہ دین کا بنیادی اور اہم ترین مسئلہ ہے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حق تعالیٰ کو کسی جدید نبی کو بھیجنا ہوتا، یا بقول ان منکروں کے مثیلِ مسیح کو بھیجنا ہوتا تو صاف لفظوں میں فرمادیا گیا ہوتا کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے جو اوصاف وکمالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثل ہوں گے، تاکہ امت کسی اشتباہ میں نہ پڑتی، اور ایسے نبی کے آتے ہی ان پر ایمان لاکر جنت کی مستحق اور جہنم سے محفوظ ہوجاتی، لیکن "مثیلِ مسیح" کی مہمل اصطلاح سے قرآن وحدیث دونوں پاک ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نظریہ قطعاً لغو ومہمل وباطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

۴:...... چوتھی بات یہ کہنا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کے متعلق جو پیش گوئی فرمائی ہے اس میں ذرہ برابر بھی ابہام نہیں، آنحضور نے اس مسئلہ کی اہمیت کا حق ادا فرمادیا اور اس وقت کے احوال و واقعات نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف کا ایسا واضح نقشہ کھینچ دیا ہے کہ سمجھدار آدمی کو اشتباہ باقی ہی نہیں رہ سکتا، جس وقت ممدوح الشان نزول فرمائیں گے اس وقت اہل ایمان

کے سامنے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات روشن ہوجائے گی کہ یہی حضرت مسیح ہیں، جن کے نزول کی خبر سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دی تھی، جو شخص اس مسئلہ کے متعلق احادیث پر نظر کرے گا اسے کسی دوسرے شخص پر مسیح موعود ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا، نہ وہ ''مثیلِ مسیح'' نام کے کسی ''عنقا'' کو تلاش کرسکتا ہے، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے چند علامات واحوال جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں، درج ذیل ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مسیح دجال کے خروج کے بعد ہوگا، یہ دجالِ اکبر ایک شخص معین ہوگا نہ کہ کوئی قوم، یہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور اس کی پیشانی پر ک، ف، ر تحریر ہوگا، یہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا، اس سے عجیب وغریب خوارق عادات سرزد ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوبارہ آمد عام طریقہ سے نہ ہوگی، یعنی دوبارہ کسی عورت کے بطن سے پیدا نہ ہوں گے، بلکہ حالت شباب ہی میں ایک خارقِ عادت اور معجزانہ طریقہ سے آسمان سے بیت المقدس کے منارے پر اتریں گے[1]، جہاں تک ان کی سانس پہنچے گی وہاں تک کوئی کافر زندہ نہ بچے گا، دجال انہیں دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرے گا، مگر وہ اسے ''بابِ لُد'' (واقع فلسطین) میں اپنے نیزے سے واصل جہنم کردیں گے۔ اس وقت یہود کو شکستِ عظیم ہوگی، اور چن چن کر قتل کئے جائیں گے، یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے پناہ لے گا تو پتھر مسلمان کو آواز دے گا کہ یہاں یہ یہودی چھپا ہوا ہے، اسے قتل کردو۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی علامتیں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ حدیث کی معتبر کتابوں میں مندرج ہیں، انہیں دیکھنے کے بعد کوئی احمق ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ مسیح سے مراد ''مثیلِ مسیح'' ہے، یا اس قسم کی کوئی شخصیت پیدا ہوچکی ہے۔

ہر سمجھدار اور منصف مزاج اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ بلاشبہ آیات، احادیث میں نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبر سو فیصد حقیقت ہے، جس میں مجاز کا شائبہ نہیں ہے، اور ''مثیلِ مسیح'' ہونے کا ہر مدعی کذاب، مفتری، مرتد اور ابدالآباد جہنم میں رہنے کا مستحق ہے۔''

(ص:۱۶۳تا۱۶۸)

بالفرض اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ نعوذ باللہ! حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی صاحبؒ

(۱) مسجد دمشق کے منارے پر (ناقل)

نے عقیدۂ نزولِ مسیح سے رجوع کرلیا ہوگا، تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے کب رجوع کیا تھا؟ اگر یہ عقیدہ غلط تھا اوران کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا تو ان کو زندگی میں کسی اخبار، ہفت روزہ یا ماہنامہ رسالہ اور جلسۂ عام میں اس سے رجوع بھی کرنا چاہئے تھا، سوال یہ ہے کہ اتنا اہم اور بنیادی مسئلہ جس کو حضرت مرحوم: ''ارشاداتِ قرآنی اوراحادیثِ صحیحہ کثیرہ سے جو حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں، اور اجماعِ امت سے'' ثابت شدہ مانتے ہیں، اوراُسے اپنی کتاب کا ایک مستقل باب بناتے ہیں، کیا اس سے برأت کا اعلان یا رجوع کرنا ضروری نہیں تھا...؟

ہمارے اکابر اور پوری امتِ مسلمہ کے اربابِ تحقیق کا اصول رہا ہے کہ اگر ان سے کسی مسئلہ یا عقیدہ میں سہو یا چوک ہو جاتی تو جس طرح انہوں نے اس کا اعلان واظہار فرمایا ہوتا، ٹھیک اسی طرح علیٰ رؤس الاشہاد اس سے رجوع اور برأت بھی فرماتے، تاکہ ان کے پہلے موقف، مسلک اور تحریر و بیان کو بنیاد بنا کر گمراہی نہ پھیلائی جاسکے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے اکابر کا ترجیح الراجح کا اسوہ ہمارے سامنے ہے، انہوں نے جس بات کو غلط جانا اس کا اعلان واظہار ضروری جانا۔

کیا حضرت مولانا محمد اسحٰق مرحوم کے بدخواہ اس کا کوئی ثبوت پیش کرسکتے ہیں کہ نعوذ باللہ! انہوں نے کسی اخبار، رسالے یا جلسۂ عام میں اس عقیدہ اور نظریہ سے رجوع کیا تھا...؟؟؟

ان حقائق وشواہد کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ دراصل دورِ حاضر کے ملاحدہ اور زائغین نے حضرت مولانا کی شخصیت کی آڑ میں اپنے الحاد کو رواج دینے کا یہ منصوبہ بنایا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ مرحوم کی قد آور شخصیت کے نام پر ان کا زیغ وضلال فروغ پاسکے۔

حضرت مولانا مرحوم کی طرف منسوب عقیدہ ''انکارِ نزولِ مسیح'' کا تنقیدی جائزہ ان شاٗ اللہ کسی دوسری صحبت میں پیش کیا جائے گا۔